© rasailojaraid.com

پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی

شہیدِ غیرت، نواسۂ رسول سیدنا حسین ابن علی رضی اللہ عنہما

شخصیت و کردار

نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور برادرِ نسبتی خلیفۂ ثانی عمر فاروق رضی اللہ عنہ، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہاشمی ہیں۔ آپ کا نسب مبارک ماں والدہ کی طرف سے دوسری جبکہ والد کی طرف سے تیسری پشت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ یہ عجیب حُسنِ اتفاق ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی والدہ (سیدہ فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دادی (فاطمہ بنت اسد بن ہاشم) اور پردادی (فاطمہ بنت عمرو بن عائذ مخزومیہ) تینوں کا نام ”فاطمہ“ ہے۔

سیدنا حسین رضی اللہ عنہ مشہور قول کے مطابق ۵ / شعبان المعظم ۴ھ میں مدینہ منوّرہ میں پیدا ہوئے اور اکثر شیعہ وسُنّی اربابِ سِیَر و تاریخ نے اس ولادت کو اُمّ المؤمنین سیدہ میمونہ کی حقیقی بہن اور حضرت عباس بن عبدالمطلب کی زوجہ محترمہ اُمّ الفضل لبابہ بنت الحارث رضی اللہ عنہ کے خواب کی نبوی تعبیر اور بشارت کا مصداق قرار دیا ہے۔

اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کا یہ خواب دیگر کُتب کے علاوہ طبقات ابن سعد، ابن ماجہ، دلائل النبوّت للبیہقی، مستدرک للحاکم، مشکوٰۃ اور الاصابہ میں بھی موجود ہے۔ اس روایت کے مطابق اُم الفضل رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہے کہ:

”میں نے رات کو ایک عجیب وغریب خواب دیکھا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر میں نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد اطہر کا ایک ٹکڑا کاٹ کر میری گود میں ڈالا گیا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ خواب بہت مبارک ہے۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں لڑکا ہوگا جو تمہاری گود میں پرورش پائے گا۔ چنانچہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں حسین رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے اور وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق میری گود میں آئے۔ (مشکوٰۃ المصابیح، باب: مناقب اہلِ بیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ص: ۵۷۲)

ابن ماجہ کی روایت کے مطابق اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے انہیں (اپنے بیٹے) قثم کے ساتھ دودھ بھی پلایا۔ سیدہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا ابتدائے نبوّت میں ایمان لے آئی تھیں لیکن ان کے شوہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے اسلام کا کھل کر اظہار نہیں کیا تھا اس لیے فتحِ مکّہ سے پہلے مدینہ منوّرہ ہجرت نہ کر سکیں۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۷ میں ان لوگوں کو وعید سنائی گئی ہے جو قدرو استطاعت کے باوجود ہجرت نہ کریں لیکن کمزور مردوں، عورتوں اور بچوں کو اس وعید سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''میں اور میری ماں بھی ان لوگوں میں شامل تھے جنہیں ہجرت نہ کر سکنے پر قرآنی وعید سے مستثنیٰ رکھا گیا تھا۔''

(جمع الفوائد، جلد:۲،ص:۱۵۷۔رقم الحدیث:۶۸۹۲)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا فتحِ مکّہ تک حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ میں ہی مقیم رہیں۔ مکہ مکرمہ رمضان ۸ ھ میں فتح ہوا۔ حُنین اور طائف کے معرکوں اور عمرۃ الجعرانہ کے بعد اواخر ذی قعدہ ۸ ھ مدینہ منورہ کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراجعت ہوئی۔ سیدہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا بھی اپنے شوہر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ہمراہ مدینہ تشریف لے آئیں تو اس طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ۹ ھ کے اوائل میں ثابت ہوتی ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ سیدہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہ نے اپنے خواب کی تعبیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود حاضر ہو کر دریافت کی تھی۔ ابن ماجہ اور دلائل النبوت (للبیہقی) کے متن سے اسی بات کی تائید ہوتی ہے:

''**قالت اُمّ الفضل یا رسول اللّٰہ**......'' (سنن ابن ماجہ،ص:۲۸۹)

''**انھا دخلت علیٰ رسول اللّٰہ و قالت**......'' (مشکوٰۃ المصابیح،ص:۵۷۲)

روایت میں مذکور صریح الفاظ سے بعض حضرات کے اس احتمال کا بھی رد ہو گیا کہ ''اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا'' نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے خواب کی تعبیر کسی قاصد کے ذریعے پوچھی ہو گی۔

یہ احتمال اس لیے بھی غلط ہے کہ تعبیر میں بچے کو گود میں لینے اور اسے دودھ پلانے کا بھی ذکر تھا تو سیدہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کے مکہ مکرمہ میں قیام پذیر ہونے کی صورت میں کسی قاصد کے ذریعے خواب کی تعبیر معلوم کر کے اس کے اس حصے پر کیوں کر عمل کیا جا سکتا تھا؟

مولانا محمد نافع صاحب سیدہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کا خواب اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعبیر نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

''چنانچہ بشارت مذکورہ کے مطابق جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سیدہ فاطمۃ الزھراء سے متولد ہوئے اور ان کو جناب اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا (لبابہ بنت الحارث) نے اپنی گود میں لے کر قثم بن عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ اپنا شیر پلایا اور اس طرح مذکورہ خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔

اس روایت کی رو سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی براہِ راست حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت خوب عیاں ہے۔ اسے جناب نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ میں یوں فرمایا:

''**الحسین مِنّی وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْن**'' (فوائدِ نافعہ، حصہ دوم،ص:۱۷۰)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے رمضان ۹ھ میں ہجرت کی تھی۔ ''**و قـــدوم اُمّ الـفـضـل فی رمضان فی التاسع** '' اگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کے اس قول کہ: ''**ثمّ هاجر قبل الفتح بقليل و شهد الفتح**'' (الاصابہ، جلد:۲،ص:۲۷۱)

پھر انہوں نے (علانیہ) قبول اسلام کے بعد فتح مکہ سے کچھ پہلے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔) کو ترجیح دی جائے تو پھر بھی سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ۵رشعبان ۴ھ میں واقع نہیں ہوسکتی کیونکہ اس قول کے اعتبار سے تاریخِ ولادت فتحِ مکّہ رمضان سے پہلے ۵رشعباب ۸ھ قرار دی جائے گی۔

البتہ محشی ابن ماجہ شیخ عبدالغنی المجد دی الدھلوی المدنی نے ایک اور انداز سے اس کا تجزیہ فرمایا ہے۔ چنانچہ وہ اُمّ الفضل کے خواب سے متعلق زیر بحث روایت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''**قـولـه قثم هو ابن عباس**......**الخ**'' یعنی روای کا قول قثم تو وہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا ان کی بیوی ہیں لیکن اس پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے بیٹے (قثم) اور اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آمد فتح مکّہ کے سال ۸ھ میں ہوئی اور اس وقت تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ دونوں کا دودھ چھڑایا جا چکا تھا کیونکہ (جمہور کے قول کے مطابق) حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ۳ھ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ۴ھ کی ہے تو یہاں یہی بات کہی جا سکتی ہے کہ اگر قتادہ کی وہ روایت صحیح ہے جو ابن اثیر نے اسد الغابہ میں لکھی ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت چھے سال اور ساڑھے پانچ ماہ گزرنے پر ہوئی تھی تو (اس حساب سے) ان کی ولادت رجب ۷ھ کی ہوتی ہے اور اُمّ الفضل کی (مدینے میں) آمد رمضان ۹ ہجری میں ہوئی تھی۔ اس حساب سے (حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی) ولادت اور (اُمّ الفضل رضی اللہ عنہ کے مدینے میں) آمد کے درمیان دو سال اور دو ماہ کی مدت بنتی ہے تو یہ (صورت حال) امام ابوحنیفہؒ کے مذہب پر منطبق ہوتی ہے کہ بچے کے دودھ چھڑانے کی مدت تیس مہینے ہوتی ہے۔''

(ابن ماجہ،ص ۲۸۹ء۔ حاشیہ نمبر ۶۔انجاح الحاجۃ۔مطبوعہ مکتبہ دار القرآن والحدیث ملتان)

لیکن ابن ماجہ اور دلائل النبوّۃ میں مذکور روایت کے متن سے اس کی تائید نہیں ہوتی کیونکہ اس کے مطابق اُمّ الفضل رضی اللہ عنہا نے اپنے خواب کی تعبیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خود حاضر ہو کر دریافت کی تھی اور محشّی کے بقول وہ رمضان ۹ ہجری میں مدینہ منوّرہ میں آئیں۔ لہٰذا مطابق روایت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت ۷ ہجری اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ۹ ہجری سے پہلے نہیں ہوسکتی۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ۷ ہجری میں پیدا ہونے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ اس موقع پر ''دایہ گیری'' کے فرائض سیدہ اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا نے سرانجام دیے تھے جو اپنے شوہر حضرت جعفر طیّار رضی اللہ عنہ کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہمراہ فتحِ خیبر کے موقع پر ۷ ہجری میں حبشہ سے مدینہ منوّرہ تشریف لائی تھیں۔

یہ بات صحیح ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ عمر میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بڑے تھے لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ حضرت فاطمہ کی پہلی اولاد بھی ہوں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سیدہ اُمّ کلثوم رضی اللہ عنہا زوجہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دونوں بھائیوں سے بڑی تھیں۔

ترجمانِ شیعیت ملّا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ:

''یہ سن کر جناب فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نہایت صدمہ ہوا اور متفکر ومتردد ہوگئیں یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ جب رات ہوئی امام حسنؓ کو دائیں اور امام حسینؓ کو بائیں کاندھے پر اٹھایا اور بایاں ہاتھ اُمّ کلثومؓ کا اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے پدر بزرگوار کے گھر تشریف لے گئیں...... واپسی پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امام حسنؓ کو اور فاطمہؓ نے امام حسینؓ کو اٹھایا اور اُمّ کلثوم کا ہاتھ پکڑ کر گھر سے مسجد میں تشریف لائے۔ (جلاء العیون، ج:۱،ص:۲۱۷۔۲۱۸)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدہ اُمّ کلثوم اپنے دونوں بھائیوں سے عمر میں بڑی تھیں تبھی تو انہیں پیدل چلایا گیا۔ نیز اس روایت سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ۱۷ ہجری میں جب ان کا نکاح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا تو وہ کسی بھی صورت میں چودہ برس سے کم عمر نہیں ہوسکتیں۔

بہرحال نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں دوسرے بیٹے کی ولادت کی اطلاع پاکر ان کے گھر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نومولود بچے کو آغوش میں لے کر کانوں میں اذان دی، برکت کے لیے اپنی زبان مبارک ان کے منہ میں ڈالی، شہد چٹایا، کھجور چبا کر اس کی گھٹی دی اور دعائیں دیتے ہوئے نام پوچھا؟ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ''حرب''، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدل کر ''حسین'' رکھا۔ ساتویں دن عقیقہ کیا اور سر کے بال ترشوانے کے بعد خوشبو لگائی گئی۔

عہدِ نبوی میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ انتہائی کم سن تھے اس لیے براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کا زیادہ موقع نہ ملا تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے والد نے اس کی تلافی کر دی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ انتہائی شفقت فرماتے تھے۔ چونکہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مکان حجرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ متصل تھا اس لیے تقریباً روزانہ انہیں دیکھنے کے لیے تشریف لے جاتے اور دونوں صاحبزادوں کو بلا کر ان سے پیار کرتے، گود میں لیے پھرتے، کبھی کندھوں پر اُٹھا لیتے، ان سے لاڈ کرتے اور ان کا لاڈ دیکھتے اور وہ دونوں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بےحد مانوس تھے۔ ان کی شان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**هما ريحانتا من الدنيا**''　　یہ دونوں تو دنیا میں میرے پھول ہیں۔

(صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب: مناقب الحسن والحسین، رقم الحدیث:۳۷۵۳)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے قریب سے گزر رہے تھے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز آئی تو فوراً پلٹے اور جا کر سیدہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

”الم تعلمی انّ بکائه یؤذینی“ کیا تو نہیں جانتی کہ اس کے رونے سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

پھر آگے بڑھ کر انہیں اُٹھا لیا، پیار کیا اور جب تک وہ چپ نہ ہوئے گھر سے باہر نہ نکلے۔

(طبرانی، جلد:۳، ص:۱۱۶، رقم الحدیث:۲۸۴۷)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ عہد صدیقی و فاروقی میں کم سنی کی وجہ سے کسی مہم میں حصہ نہیں لے سکے البتہ عہد عثمانی میں انہوں نے اپنے بھائی کے ہمراہ حضرت سعید ابن العاص رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت ۳۰ ہجری میں طبرستان کی فوج کشی میں شرکت فرمائی۔

۳۵ ہجری کے آخر میں جب مفسدوں، باغیوں اور بلوائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کا محاصرہ کیا تو دونوں بھائی نے بحیثیت محافظ شب و روز انتہائی جراءت مندانہ کردار ادا کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں جنگ جمل، جنگ صفین اور جنگ نہروان میں بھی گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت حسن رضی اللہ عنہ سریر آرائے خلافت ہوئے۔ موصوف نے ابتدا ہی سے صلح پسند، خون ریزی سے اجتناب کرنے والے اور مسلمانوں کے باہمی قتال سے سخت متنفر تھے۔ پھر ان کے ششماہی دور خلافت میں ایک موقع ایسا بھی آیا کہ وہ اپنی فوج سے بیزار اور مایوس ہو گئے اور ان پر بالکل اعتماد نہ رہا اور حق یہ ہے کہ یہ اعتماد کے قابل ہی نہ تھے اور بارہا زبان سے وفادار اور عمل سے بے وفا ثابت ہو چکے تھے۔

علاوہ ازیں حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنی فراست و بصیرت اور سابقہ تجربے و مشاہدے سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ ان مفسدین سے صرف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت ہی نبرد آزما ہو سکتی ہے تو کیوں نہ زمامِ خلافت انہیں سونپ کر قصاصِ عثمان رضی اللہ عنہ اور اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کی اس پیشین گوئی کی تکمیل کا باعث بن جاؤں کہ:

”اِنَّ ابْنِیْ هٰذا سَیّد لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یُّصْلِحَ بِهٖ بَیْنَ فِئَتَیْنِ عَظِیْمَتَیْنِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ“

(صحیح بخاری، کتاب الصلح، رقم الحدیث:۲۷۰۴)

یقیناً میرا یہ نواسہ سید ہے اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔

لہٰذا حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے یہ سعادت حاصل کرنے کے لیے معقول و مناسب شرائط طے کر کے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کر کے باقاعدہ ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت بھی کر لی، باتفاق شیعہ و سنّی مؤرخین ان مبایعین میں دوسرے نمبر پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس عظیم الشان صلح سے یہودیوں، مجوسیوں، منافقوں، تفرقہ بازوں، ابن اُبیّ اور ابن سبا کے تربیت یافتہ مفسدوں کی اُمیدوں پر اوس پڑ گئی۔ اس لیے وہ دونوں بھائیوں کو برابر بیعت توڑنے پر اُکساتے رہے لیکن یہ حضرات اپنے موٴقف پر جراءت و بہادری کے ساتھ قائم رہے۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اہل عراق نے ایک دفعہ پھر حضرت حسین رضی اللہ کو ”نقضِ بیعت پر ابھارنے کی کوشش کی۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے جواب طلب کرنے پر حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے وضاحتی مکتوب میں یہ اعلان فرمایا کہ:

”انا قد بایعنا و عاهدنا ولا سبیل الٰی نقض بیعتنا“

(اخبارالطّوال،ص:۲۲۰، **تحت مبایعة معاویة بالخلافة**)

یقیناً ہم بیعت اور معاہدہ کر چکے ہیں اور بیعت توڑنے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دونوں بھائی ہر سال ان کے پاس ملاقات کے غرض سے جب تشریف لے جاتے تو وہ ان دونوں کی بہت زیادہ تکریم کرتے، ان کا استقبال کرتے اور عطیاتِ کثیرہ سے نوازتے حتّٰی کہ بعض اوقات ایک دن میں دو دو لاکھ درہم بھی پیش کر دیتے تھے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد:۸،ص:۱۵۱)

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے یہ سلسلہ جاری رکھا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اسی طرز عمل کا مظاہرہ کرتے رہے۔ یہ ملحوظ رہے کہ یہ عطایا وہدایا مقررہ سالانہ وظائف کے علاوہ تھے۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں مشہور غزوہ قسطنطنیہ میں حضرت ابو ایوب انصاری، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی معیت میں شرکت بھی فرمائی۔

اس غزوہ کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی تھی کہ میری اُمّت کا پہلا لشکر جو قسطنطنیہ پر حملہ آور ہوگا اس کی مغفرت ثابت ہو چکی ہے۔ (صحیح بخاری، رقم الحدیث:۲۹۲۴)

دیگر کتب حدیث کے علاوہ صرف صحیح بخاری میں یہ روایت سات مختلف ابواب میں آئی ہے۔ یہ بھی ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ اس ”مغفور لھم“ لشکر کے امیر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے فرزند امیر یزید تھے۔ ملاحظہ ہو:

(صحیح بخاری، جلد: اوّل، ص: ۱۵۸۔ طبقات ابن سعد، جلد: ۴، ص: ۶۱۔ مطبوعہ نفیس اکیڈمی کراچی۔ عمدة القاری، جلد:۱۴، ص: ۱۹۸۔ قسطلانی، جلد: ۵، ص: ۱۰۴۔ فتح الباری، جلد: ۶، ص: ۱۰۳۔ مسند احمد بن حنبل، جلد: ۵، ص: ۴۱۶۔ منہاج السنة، جلد: ۲، ص: ۲۵۲۔ الاستیعاب مع الاصابہ، جلد: ۱، ص: ۴۰۴۔ اسد الغابہ تحت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ۔ تاریخ ابن عساکر، جلد: ۷، ص: ۱۱۵ تحت الحسین بن علی رضی اللہ عنہما۔ البدایہ والنہایہ، جلد: ۸، ص: ۵۸)

اسی غزوے میں میزبانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوایوب انصاری کی وفات واقع ہوئی اور ان کی وصیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے مطابق ان کی نماز جنازہ امیرِ لشکر یزید نے پڑھائی اور دشمن کی سرزمین میں دور لے جا کر دفن کر دیا۔

قیصر کو جب پتہ چلا تو اس نے کہا کہ اسلامی لشکر کے واپس جانے کے بعد ہم ان کی لاش کو نکال کر کتوں کے آگے ڈال دیں گے۔ جس کے جواب میں امیرِ لشکر یزید نے رومیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ:

''یا اھل القسطنطنیة ھٰذا رجل من اکابر اصحاب محمد نبیّنا صلّی اللّٰہ علیه وسلّم و قد دفنا حیث ترون واللّٰہ! لئن تعرضتم له لاھدمن من کل کنیسة فی ارض الاسلام ولا یضرب ناقوس بارض العرب ابداً۔''

(ناسخ التواریخ، جلد:۲، ص:۶۶۔ الاستیعاب، جلد:۲، ص:۶۳۸۔ العقد الفرید، جلد:۳، ص:۱۳۳)

اے قسطنطنیہ کے باشندو! یہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہیں اور تم دیکھ رہے ہو جہاں ہم نے انہیں دفن کیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر تم نے ان کو کسی قسم کا ضرر پہنچایا تو میں ارضِ اسلام میں موجود ہر کنیسہ کو گرا دوں گا اور پھر سرزمین عرب میں کبھی ناقوس نہیں بجے گا۔

امیر یزید کی اس جراءت مندانہ دھمکی سے قیصر پر اس قدر خوف طاری ہوا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ اس قبر کے ساتھ کسی قسم کی بے ادبی و گستاخی نہ ہوگی بلکہ اس کی حفاظت کا بھرپور خیال رکھا جائے گا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد اہلِ کوفہ نے اپنی مجلسِ مشاورت میں طے شدہ منصوبے کے مطابق خطوط اور وفود کے ذریعے سے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو کوفہ آنے کی دعوت دی۔ جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو صحیح صورت حال معلوم کرنے کے لیے کوفہ بھیجا تو انہوں نے ان کے ذریعے سے بھی حالات کی سازگاری پر مبنی رپورٹ اور کوفہ کی طرف روانگی کا ''گرین سگنل'' بھجوا دیا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اس ''سگنل'' کے ملنے کے بعد احباب کے منع کرنے کے باوجود نفلی حج ترک کر کے ''منیٰ'' کے بجائے کوفہ کی طرف روانگی اختیار کر لی۔

راستے میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کی شہادت کی اطلاع پا کر واپسی کا ارادہ کیا لیکن قافلے میں شامل کوفی وفد آڑے آ گیا اور گھیر کر انہیں سفر جاری رکھنے پر آمادہ کر لیا۔ غدار اور بے وفا کوفیوں کے عزائم دیکھ کر میدان کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حسبِ ذیل تین شرائط پیش فرمائیں:

۱۔　مجھے مدینہ منورہ واپس جانے دیا جائے۔

۲۔　کسی سرحد پر بھیج دیا جائے تاکہ کفار کے ساتھ جہاد کروں۔

۳۔　امیر یزید کے پاس شام بھیج دیا جائے تاکہ میں اس کے ہاتھ میں ہاتھ دوں یا اپنا معاملہ اس کے سپرد کر دوں تو وہ میرے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''اضع یدی فی ید یزید بن معاویة، فاضع یدی فی یده، فاضع یدی فی یده فیحکم فی ما رأی، او ان اضع یدی علٰی ید یزید فهو ابن عمّی.''

(تاریخ طبری، جلد:۴،ص:۳۱۲۔البدایہ والنہایہ، جلد:۸،ص:۱۷۰۔تاریخ ابن خلدون اردو، جلد:۲،ص:۱۰۶۔تاریخ الخلفاء للسیوطی اردو،ص:۳۰۳۔الاصابہ، جلد:۱،ص:۳۳۴۔النبر اس شرح لشرح العقائد،ص:۵۴۱۔احسن الفتاوٰی، جلد:۶،ص:۲۰۳۔تاریخ اسلام، اکبر شاہ خان نجیب آبادی، جلد:۲،ص:۵۷۔کتاب الارشاد،ص:۲۱۰۔تلخیص شافی،ص:۴۷۱۔روح اسلام ترجمہ سپرٹ آف اسلام،ص:۴۵۸، مؤلفہ: جسٹس امیر علی)

لیکن کوفیوں نے مذکورہ شرائط تسلیم کرنے سے صاف انکار کر دیا۔کیونکہ ان کے خطوط حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ تھے۔نیز مسلمانوں کے مابین اتحاد واتفاق سبائیوں اور مفسدوں کے لیے موت کا پیغام بھی تھا۔لہٰذا انہوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اوران کے رفقاء کو انتہائی بے دردی کے ساتھ شہید کر دیا۔

کوفہ اصل کے اعتبار سے شیعوں کا شہر ہے جس میں کسی کا سُنّی ہونا محتاج دلیل ہے لیکن شیعہ ہونے کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ میں کوفی ہوں۔چنانچہ شیعہ مجتہد قاضی نوراللہ شوستری لکھتے ہیں کہ:

''اہل کوفہ کا شیعہ ہونا محتاج دلیل نہیں ہے بلکہ بدیہی امر ہے جب کہ اہل کوفہ کا سُنّی ہونا خلافِ اصل ہے اور محتاجِ دلیل ہے۔'' (مجالس المؤمنین،ص:۲۵۰)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو بلانے والے، خطوط لکھنے والے، خطوط پہنچانے والے اور خطوط میں (طلاق و عتاق) قسمیہ عہد و پیمان کرنے والے، اپنی موت وحیات کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی موت وحیات سے وابستہ کرنے والے، مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر اسی ہزار کی تعداد میں بیعت کرنے والے پھر بیعت توڑنے والے، مسلم رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے، حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو گھیر کر کوفہ لانے والے، ان کا راستہ روکنے والے، انہیں رفقاء سمیت شہید کرنے والے، مستورات کے خیموں میں لوٹ مار کرنے والے، زینب و فاطمہ کے زیورات اتارنے والے اور فرضی محبت جتا کر نوحہ و ماتم کرنے والے سب کے سب شیعہ ہی تھے۔مزید اطمینان کے لیے حسب ذیل کتب کا مطالعہ نہایت ہی مفید ثابت ہوگا۔

قاتلان حسین رضی اللہ عنہ، مؤلفہ: مولانا عبدالشکور مرزاپوری۔شکست اعدائے حسین رضی اللہ عنہ، مؤلفہ: مولانا اللہ یار خان چکڑالوی۔تحفہ حسینیہ، حصہ سوم:ص:۱۴۳ تا ۱۵۷، مؤلفہ: علامہ ابوالحسنات محمد اشرف سیالوی۔الکلام الحاوی فی تحقیق عبارة الطحاوی،ص:۱۵۹ تا ۱۶۴، مؤلفہ: مولانا محمد سرفراز خان صفدر)

امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمۃ اللہ علیہ قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کی جامہ تلاشی لینے اوران کے چہروں پر سے ''نقابِ تقیّہ'' اتارنے کے بعد اپنی انتہائی مدلّل بحث کے آخر میں فرماتے ہیں کہ:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کوشہید کرنے اور کروانے کے بعد آج تک وہ قاتلوں پر پردہ ڈالے ہوئے ہیں اور ماتم کناں ہیں مگر خونِ ناحق بھی چھپانے سے کہیں چھپتا ہے۔

کیوں وہ بیٹھے ہیں مری نعش پہ دامن ڈالے

دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق سمجھنے اور حق پر ثابت قدم رہنے کی توفیق دے۔''

(الکلام الحاوی فی تحقیق عبارۃ الطحاوی، ص:۱۶۴)

فقیہ العصر، مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''یہ روایت (**امّا ان اضع یدی فی ید یزید**) اس پر نص ہے کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ یزید کی خلافت کو تسلیم کر چکے تھے۔ بالفرض یہ روایت نہ بھی ہوتی تو یزید کی حکومت کے تحت جہاد کے لیے جانے کی درخواست کرنا ہی خلافتِ یزید کو تسلیم کرنے پر واضح دلیل ہے......

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خروج کے وقت کوئی حکومت موجود نہ تھی اور کوئی خلافت قائم شدہ نہ تھی۔ جب یزید کی خلافت قائم ہوگئی تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنے ارادہ سے رجوع فرمالیا تھا۔''

(احسن الفتاویٰ، جلد:۶، ص:۲۰۳۔۲۰۴)

حضرت مفتی صاحب اسی بحث میں آگے چل کر اسی مؤقف کا اعادہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''غرضیکہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اس اقدام کو شرعی فرض سمجھ کر نکلے تھے مگر بعد میں راستہ ہی میں جب خلافتِ یزید کا کامل طور پر قیام واستحکام معلوم ہوگیا تو فوراً اپنے مؤقف سے ہٹ گئے کیونکہ قیامِ خلافت کے بعد جوازِ خروج کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ پس جس طرح یزید کے بارے میں توقف اسلم ہے اسی طرح بلکہ اس سے بدرجہا زیادہ مؤکد حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے متعلق کفِ لسان ہے اور ان کا اعزاز واحترام اور ان سے محبت وعقیدت اور حسنِ ظن ضروری کہ یہی صراطِ مستقیم بین الافراط والتفریط ہے اور یہی اہل السنۃ والجماعۃ کا متفقہ فیصلہ اور مذہب وشعار ہے۔ آج تک اہل السنۃ والجماعۃ میں سے کسی فرد نے بھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی اور آپ کی طرف سوءِ نیّت کی نسبت کو روا نہیں رکھا بلکہ آپ کی محبت کو عین ایمان سمجھتے ہیں۔'' (حوالۂ مذکور، ص:۲۱۹۔۲۲۰)

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ واقعۂ کربلا سبائی سازش کا شاخسانہ تھا اور سبائیت نے یہودیت کی کوکھ سے جنم لیا ہے جب کہ یہود ونصاریٰ اسلام کے ابدی دشمن ہیں اور ان ہی دشمنوں نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت میں اہم کردار ادا کیا، انھوں نے منافقین کی جماعت کو استعمال کیا اور سانحہ کربلا کے نتیجے میں اُمّت مسلمہ کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ آج بھی رافضی اور سبائی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نام کی آڑ میں منافقت کا روپ دھار کر اسلام کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت تاریخِ اسلام کا ایک دردناک باب ہے۔ اس سانحہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منافقین کو مسلمانوں کی صفوں سے نکال باہر کیا جائے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کچھ المیہ نہیں کہ پیشہ ور واعظین نے قوم کو وضعی داستانوں میں الجھا کر دین اسلام کی اصل شکل کو مسخ کر دیا ہے۔ یقیناً ''بلا'' تو وہ تھی جو میدان میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر نازل ہوئی مگر ''کرب'' یہ ہے کہ چودہ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی ظالموں نے انہیں معاف نہیں کیا بلکہ جھوٹ پہ جھوٹ تراش کر ان کے ذمّے لگاتے جا رہے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی تعلیمات کو عام کیا جائے اور سبائیوں کے کفریہ نظریات سے عوام کو آگاہ کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کی سازش کو بے نقاب کیا جائے جس میں بدقسمتی سے کچھ نامی گرامی شخصیات بھی شامل ہوگئی ہیں۔ چنانچہ بانی جماعت اسلامی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ مرحوم کی ایک مجلس میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''بعض لوگ کہتے ہیں کہ صحابہ نے تو بیعت کر لی تھی حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے کیوں نہ کی؟ اور وہ ان کو مطعون کرتے ہیں۔ حالانکہ جب کوئی مسلمان حکومت پوری طاقت سے قائم ہو تو اس کے خلاف اٹھنا ہما شما کا کام نہیں۔ صرف وہ اٹھ سکتا ہے جو فیصلہ کر چکا ہو کہ وہ اٹھے گا خواہ کچھ ہو جائے۔

جو لوگ ایسی بات کہتے ہیں ان کو صحابہؓ کی طرف سے صفائی پیش کرنی چاہیے نہ کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو مطعون کرنا۔ اُٹھنے والے سے صفائی پیش کرنے کا مطالبہ کرنے کا کیا موقع ہے؟ صحابہؓ کی پوزیشن صاف کی جاسکتی ہے۔ ہر شخص کا یہ کام نہیں تھا۔''

(شہادت حسینؓ کا حقیقی مقصد، ص:۲۴، مطبوعہ: فرینڈز پبلی کیشنز پاک گیٹ ملتان شہر)

یہ بات یقیناً باعث حیرت ہے کہ مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحبؒ بھی اسی نوعیت کا حسب ذیل تبصرہ فرما گئے:

''حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو تمام صحابہؓ نے مکّہ میں روکا۔ یعنی سارے صحابہ کرامؓ جو اس وقت موجود تھے سب نے روکا اور آپ نہیں رکے۔ اس سے کچھ کم فہموں نے اپنا غلط خیال قائم کر لیا کہ آپ حکومت حاصل کرنے گئے حالانکہ یہ غلط تھا۔ ایک واقعہ ہے کہ راستہ میں آپ کو جب ایک شخص نے روک کر سمجھایا تو آپ نے ایک تھیلہ اُلٹ کر سارے خطوط جو تقریباً ۹ سو تھے، دکھائے کہ کوفہ سے لوگوں نے آنے پر مجبور کیا ہے اور سارے عوام نے اپنی جانبازی کا یقین دلایا ہے۔ چونکہ باطل کے مقابلہ میں صرف آپ ہی آسکتے تھے کہ اہل بیت ہیں دیگر صحابہ سے وہ کام نہ ہوگا۔

اس سے مقصود بلاشبہ آپ کا اعلائے کلمۃ الحق تھا اور دین کی حفاظت تھی۔ صحابہ کرام نے اس وجہ سے روکا تھا کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ آپ کو دھوکہ دیں گے اور وہی ہوا۔ لیکن حضرت حسین رضی اللہ عنہ پر کوئی شبہ کرنا قطعی حرام ہے۔ البتہ وہاں جا کر آپ نے ان کی بے وفائی کو دیکھ کر لوٹنا چاہا تو پھر یزید نے واپسی کا موقع نہ دیا۔ بہرحال یہ واقعہ ہونا تھا اور ہوا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن عوام کا یہ کام نہیں کہ اس میں اپنی جان کھپائیں۔‘‘

(شہادت حسینؓ،ص:۲۴۷،مطبوعہ:ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان، ماخوذ از مجالس مفتی اعظم)

مذکورہ بالا دونوں اقتباسات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ ہر باطل کے خلاف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہمیشہ نبرد آزما رہے۔ جو حضرات غزوۂ اُحد میں یزید کے دادا کے مقابلہ میں آسکتے تھے تو ان کے لیے اسلام کے دورِ عروج میں خود یزید کے مقابلے میں کھڑا ہونا کیا مشکل تھا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس بات پر بھی عہد لیا تھا جس کا وہ ان الفاظ کے ساتھ اظہار و اقرار فرمایا کرتے تھے:

’’بایعنا رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم......علٰی ان نقول بالحق اینما کنّا لا نخاف فی اللّٰہِ لومۃ لائم۔‘‘ (مشکوٰۃ المصابیح ص:۳۱۹،کتاب الامارۃ والقضاء،الفصل الاوّل)

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے اس بات پر بھی بیعت کی (یعنی وعدہ کیا) کہ ہم جہاں کہیں بھی ہوں گے حق کہیں گے۔ اللہ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی پروا نہیں کریں گے۔

اس پر اللہ تعالیٰ کی یہ گواہی کافی ہے کہ:

مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ...... (الاحزاب، آیت:۲۳)

ترجمہ: مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

☆......☆......☆

ماہانہ مجلس ذکر و اصلاحی بیان
ابن امیر شریعت
حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم
امیر مجلس احرار اسلام پاکستان
28 نومبر 2013ء
جمعرات بعد نماز مغرب
دارِ بنی ہاشم
مہربان کالونی ملتان
الداعی سید محمد کفیل بخاری ناظم مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان
061-4511961

© rasailojaraid.com